K. No. 2184/67 Regd. No. L 922.

انجمن ترقی اردو ہند کا ہفتہ وار اخبار

ہماری زبان

جلد ۲۵ - شمارہ ۲۶ | ایڈیٹر: آل احمد سرور | ۸ جولائی ۱۹۶۶ء

آل احمد سرور

کابل میں ایک ہفتہ

(۲)

طے تھا کہ ہم ادارہ فرینکلین گئے۔ وہاں ادارہ کے ڈائرکٹر عتیق اللہ پژواک سے ملاقات ہوئی۔ انھوں نے ہمارا بڑی گرمجوشی سے خیر مقدم کیا سمینار کے متعلق ضروری لٹریچر دیا۔ کابل اور ہرات کے متعلق ادارے کی دو مطبوعات افغانستان اور کابل کا نقشہ، سمینار میں پڑھے جانے والے مقالات، سب ایک خوبصورت فائل میں تھے۔ انھوں نے چائے پلائی۔ بے دودھ کی چائے کا رواج یہاں عام ہے۔ میں روس میں اس قسم کی چائے پی چکا ہوں۔ مالک رام صاحب بھی اس کے مزے کو ناپسند نہیں کرتے۔ غرض گھنٹے بھر کے قریب باتیں ہوئیں اور پھر خرم کے ساتھ ہم ہوٹل کابل واپس آ گئے۔ خرم کو میں نے شاہزادہ خرم کہنا شروع کر دیا۔ یہ بڑے ہنس مکھ اور خلیق و متواضع آدمی ثابت ہوئے۔

واپس آکر کچھ دیر آرام کیا۔ ہوٹل میں تیسری منزل پر مالک رام صاحب کمرہ ۲۰۹ میں اور میں ۲۱۱ میں تھے۔ ہوٹل کے کارکن انگریزی سمجھ لیتے تھے ویسے عام رواج فارسی کا ہے۔ ہم دونوں نے بھی فارسی کی ٹانگ توڑنی شروع کر دی۔ بیروں سے برابر فارسی میں گفتگو کرتے تھے۔ ۵ بجے کے قریب میں نے قاضی یونس کو ٹیلی فون کیا۔ آدھے گھنٹے میں وہ مع بیوی اور دو چھوٹے بچوں کے اپنی کار لے کر آ گئے۔

قاضی یونس کا تعارف ضروری ہے۔ یہ علی گڑھ میں لیکچرر تھے۔ زمانۂ طالب علمی میں بڑے پرجوش کمیونسٹ تھے۔ پھر لیکچرر ہو گئے۔ لیکچرری کے زمانے میں ڈاکٹر ضیاء الدین سے اکثر جھڑپیں ہوا کرتی تھیں۔ بڑے مخلص، پڑھے لکھے اور اصول پرست آدمی ہیں۔ بحث کرنے میں انھیں بہت لطف ہوتا ہے اور بڑی گرمجوشی سے بحث کرتے ہیں۔ اب تو وقت کے ہاتھوں خیالات اور مزاج دونوں میں خاصا اعتدال آ گیا ہے ورنہ پہلے تو بغیر نوٹس دیے بھڑک جانے والا مادہ تھے۔ علی گڑھ سے پلاننگ کمیشن میں چلے گئے۔ سوئیزرلینڈ اور انگلستان کئی سال رہے۔ اب اقوام متحدہ کے ٹیکنیکل امداد کے مشن کے ممبر ہیں اور چھ سات سال سے کابل میں ہیں۔ حکومت افغانستان ان کی صلاحیت پر بہت بھروسہ کرتی ہے اور یہ بھی بڑی محنت اور جانفشانی سے کام کرتے ہیں۔ ان کی بیوی عائشہ میرے پرانے ساتھی اختر حسن صاحب کی لڑکی ہیں۔ اختر حسن صاحب کا حال ہی میں انتقال ہوا ہے۔ یونس کی دو پیاری پیاری بچیاں ہیں۔ ایک پانچ سال کی دوسری تقریباً تین سال کی۔ یونس نے کچھ دیر تک ادھر ادھر کی باتیں کیں پھر اصرار کیا کہ چلیے قرغہ تک ہو آئیں۔ یہ کابل کی ایک سیرگاہ ہے۔ شہر سے تقریباً ۲۰ میل کے فاصلے پر ایک مصنوعی جھیل ہے۔ چاروں طرف سرسبز پہاڑیاں ہیں۔ جھیل کے کنارے ایک خوبصورت ریستوران ہے۔ یہاں دیکھا تو یورپی سیاح اور افغانی خاصی تعداد میں موجود تھے۔ کچھ تیر رہے تھے۔ کچھ چائے یا کافی پی رہے تھے۔ ہم دونوں نے یونس کے اصرار پر کافی پی۔ یونس نے بتایا کہ گو یہاں کی پہاڑیاں عام طور پر بے آب و گیاہ معلوم ہوتی ہیں، لیکن جہاں پانی پہنچ جاتا ہے وہاں خاصی ہریالی ہوتی ہے۔ ان سے افغانستان کی ترقی کے متعلق معلومات حاصل کیں۔ پتہ چلا کہ افغانستان کو روس، امریکہ، جرمنی اور انگلستان سبھی ممالک مدد دیتے ہیں۔ افغان بھی اتنے پختہ کار ہو گئے ہیں کہ سب سے دوستی رکھتے ہیں اور ان کا ملک ترقی کر رہا ہے۔ ہندوستان سے زیادہ تر چائے اور کپڑا آتا ہے۔ یہاں سے خشک اور تر میوہ جاتا ہے۔ مگر پاکستان سے راستہ ہونے کی وجہ سے تر میوہ بہت کم جا پاتا ہے۔ ہوائی جہاز کی سروس ہفتے میں چار دفعہ ہے۔ ایک انڈین ایرلائنس کی ہر اتوار کو، تین افغانستان کی ایریانا آریانا کی، ایک جمعرات کو دلی کے لیے اور دو امرتسر کے لیے۔ شہر میں نئی عمارتیں تیزی سے بن رہی ہیں۔ سڑکیں روسیوں نے بنائی ہیں یا امریکیوں نے۔ کابل کا ہوائی اڈہ روسیوں کا بنایا ہوا ہے۔ اس کے برعکس امریکیوں نے قندھار کا ہوائی اڈہ بنایا مگر ابھی تک قندھار ہو کر کوئی بین الاقوامی ہوائی راستہ نہیں ہے۔

واپسی کے وقت شام ہو گئی تھی۔ قاضی یونس نے گاڑی اسٹارٹ کرنی چاہی تو تیل زیادہ ہونے کی وجہ سے اس نے چلنے سے انکار کر دیا۔ ہم لوگوں نے تھوڑی دیر دھکیلا مگر بی صاحبہ کا مزاج درست نہ ہوا۔ چنانچہ قرغہ ریستوران سے تقریباً سو گز کے فاصلے پر رک گئے۔ قاضی واپس گئے اور کسی دوسری کار کے افغانی ڈرائیور کو لے کر آئے۔ اس سے کچھ نہ بنا۔ اندھیرے میں بہت دیر تک گاڑی کے پرزوں کی گوشمالی اور بجلی کی کھٹیاں کی پھر ایک سکھ ادھر سے گزرے ان سے ہم لوگ باتیں کرتے رہے۔ ان کے آدمی گاڑی کے انجن پر جھکے رہے اور قاضی دوڑ دوڑ کر گاڑی کے پیچھے سے اندھیرے میں اوزار نکال کر لاتے رہے۔ آٹھ بجے ہمارا ڈنر سمینار کے کارکنوں کی طرف سے باغ بالا میں تھا جب

ہم پہنچ گئے تو سوچا کہ اب وہاں جانے سے کیا فائدہ۔ جب کہ بھی نہ تھی اس لیے یہ کہ ہوٹل پہنچ کر سو جائیں گے کوئی ساڑھے آٹھ بجے کے بعد گاڑی ٹھیک ہوئی۔ یونس بار بار معذرت کر رہے تھے۔ حالانکہ ان کا کوئی قصور نہ تھا ہم لوگ نو بجے ہوٹل واپس پہنچے تو معلوم ہوا کہ سیمینار والوں نے کار بھیجی ہے۔ کھانے پر انتظار ہو رہا ہے۔ اب جانا ہی پڑا۔ ساڑھے نو بجے کے قریب باغ بالا پہنچے تو وہاں چڑھائی پر ایک خوبصورت عمارت میں بڑا شاندار ڈنر تھا۔ بلامبالغہ ڈیڑھ سو سے کم آدمی نہ تھے ہم نے سب سے خصوصاً منتظمین سے معذرت کی معلوم ہوا ایسی دیر نہیں ہوئی تھی۔ اب تک لوگ پینے پلانے میں مصروف تھے۔ کھانا تو ابھی وقت شروع ہوا تھا۔ افغانی مرد، عورتیں، سیمینار میں ایران سے آنے والے نمائندے، امریکن، ایرانی مرد، عورتیں۔ غرض بہت بڑا مجمع تھا۔ کھانا کیا تھا میز کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک درجنوں کھانے تھے۔ خوبانیاں، آڑو، گلاس، چیری، آلوچے بکثرت تھے میں نے ذرا احتیاط برتی ان پھلوں پر خاص توجہ کی۔ مالک رام صاحب تو ویسے ہی بہت محتاط آدمی ہیں۔ مختلف لوگوں سے فارسی میں یا انگریزی میں باتیں کرتے رہے۔ کچھ لوگ اردو جاننے والے بھی مل گئے۔ ایک افغانی لڑکی نے خاصی صاف اردو میں کہا کہ مجھے اردو بہت پسند ہے۔ میں نے پوچھا کہاں سیکھی، بولی پاکستان میں۔ غرض بڑی پرلطف صحبت کے بعد ہم لوگ گیارہ بجے کے قریب ہوٹل واپس آئے۔

(باقی آئندہ)

مولانا آزاد کے خطوط

جناب مالک رام صاحب نے کچھ عرصہ ہوا اخباروں کے ذریعہ سے یہ درخواست کی تھی کہ جن لوگوں کے پاس مولانا آزاد کے خطوط ہوں وہ ان کے پاس راجندر بھون نئی دہلی کے پتہ سے بھیج دیں۔ ان کی درخواست پر کچھ خطوط مل گئے ہیں، مگر خیال یہ ہے کہ ابھی کچھ لوگوں کے پاس ان کے اور بھی غیر مطبوعہ خطوط ہوں گے۔ ساہتیہ اکاڈمی مولانا آزاد کی ساری تصانیف نہایت صحت کے ساتھ شایع کر رہی ہے اور مالک رام صاحب سارا مواد ایڈٹ کر رہے ہیں۔ سارے خطوں کو ایک علیحدہ جلد میں شایع کیا جائے گا۔ ایک بار پھر ان تمام حضرات سے درخواست کی جاتی ہے جن کے پاس مولانا کے خطوط ہیں کہ وہ اصل خط یا اس کی نقل مالک رام صاحب کے پاس ساہتیہ اکاڈمی راجندر بھون نئی دہلی کے پتے پر بھیج دیں۔ اصل خط حفاظت کے ساتھ واپس کر دیا جائے گا۔

(ادارہ ہماری زبان)

ہندوستان بھر میں عربی، فارسی اور سنسکرت کے نایاب مخطوطات کا تحفظ

مائکرو فلموں کے لیے یونیسکو کی امداد وصول ہو گئی

یکم جولائی۔ ہندوستان بھر میں اہم اور نایاب تاریخی دستاویزات اور مخطوطات کی مائکرو فلمیں بنا کر انھیں محفوظ کر لیا جائے گا۔ حکومت ہند اور اقوام متحدہ کے تعلیمی، سائنسی اور ثقافتی ادارے کے درمیان لاگت برابر برابر برداشت کرنے کی بنیاد پر ایک معاہدے کے تحت نیشنل لائبریری کلکتہ میں مائکرو فلمیں تیار کرنے کا کام شروع کر دیا گیا ہے۔ فلمیں بنانے کے لیے مخطوطات کے انتخاب کے لیے حکومت ہند نے ماہرین کی ایک کمیٹی قائم کی ہے۔ یونیسکو نے ایک ماہر کی خدمات اور ضروری ساز و سامان کا بندوبست کر دیا ہے یونیسکو کی طرف سے اس کام کے لیے مقرر کیے ہوئے مسٹر اے بسالم (متحدہ عرب جمہوریہ) آج کل نیشنل لائبریری کلکتہ میں نایاب مخطوطات کی مائکرو فلمیں بنا رہے ہیں اور اس کام کے سلسلے میں اور دیگر اہم لائبریریوں اور مراکز میں جائیں گے اور سنسکرت عربی اور فارسی سمیت کئی زبانوں میں نادر مخطوطات کی مائکرو فلمیں بنائیں گے اس پراجکٹ کی تکمیل نیشنل لائبریری کلکتہ کی ذمہ داری ہے۔ (پرتاپ)

کہانیوں کا مقابلہ ۲۱۰۰ روپیہ کا انعام

بی بی سی لندن کا اعلان

بی بی سی نے مختصر افسانوں کے ایک مقابلہ کا اعلان کیا ہے جس میں برطانیہ سے باہر رہنے والے افسانہ نویس حصہ لے سکیں گے۔ پہلا انعام ۱۰۰ پونڈ (۲۱۰۰ روپے) کا ہے۔ جن دیگر افسانہ نویسوں کی کہانیاں براڈکاسٹ ہونے کے لیے منتخب ہوں گی ان میں سے ہر ایک کو بیس پونڈ دیے جائیں گے۔ کہانی غیر شایع شدہ، انگریزی زبان میں اور ۱۸۰۰ سے ۲۰۰۰ الفاظ پر مشتمل ہو۔ کہانی انسانی تجربہ کے کسی گوشہ پر ایسے ڈھنگ سے روشنی ڈالتی ہو کہ سے دنیا میں ہر جگہ سمجھا جا سکے۔ کہانیاں مندرجہ پتہ پر بھیجی جائیں۔

شارٹ سٹوری کمپٹیشن بی بی سی ورلڈ سروس بش ہاؤس لندن ڈبلیو سی ٹو

(سیاست جدید کانپور)

کتابوں کی عالمی نمائش

بلغراد (تاس) یہاں ۲۲ جون کو کتابوں کی ۱۱ ویں عالمی نمائش کا افتتاح کیا گیا۔ اس میں ۱۹ ممالک بشمول بلغاریہ، ہنگری، جرمن جمہوری ری پبلک، پولینڈ، رومانیہ، چیکوسلاواکیہ، سوویت یونین، یوگوسلاویہ، اٹلی، فرانس، امریکہ اور ہندوستان شریک ہیں۔ اس نمائش کے لیے سوویت یونین نے سماجی، سیاسی اور سائنسی تکنیکی موضوعات پر ۳ ہزار کتابیں پیش کی ہیں۔ اس میں بچوں کی کتابیں بھی شامل ہیں۔

نذر الاسلام اکیڈمی کا افتتاح

کلکتہ۔ ۵ جون (پی ٹی آئی) بنگال کے انقلابی شاعر قاضی نذر الاسلام کی شاعری اور ان کے خیالات کی نشر و اشاعت کی غرض سے آج یہاں نذر الاسلام اکیڈمی کا افتتاح ہوا۔ یہ نیتا جی سبھاش چندر بوس کے آبائی مکان نیتا جی بھون میں قائم کی گئی ہے۔ اس سلسلہ میں مشہور اہل قلم کی ایک کمیٹی بھی قائم کر دی گئی ہے۔ (الجمعیۃ دہلی)

انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا کا نیا ایڈیشن

انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا کا پہلا ایڈیشن ۱۷۶۸ء میں شایع ہوا تھا۔ اس وقت تیم پیانہ پر ایک پیر اگراف نکلا تھا اور دو ہزار چار سو صفحے لکھے گئے تھے۔ اس وقت ۱۵۰ اشخاص کی امداد سے یہ انسائیکلوپیڈیا مرتب ہوا تھا اب دس ہزار اشخاص کی مدد سے نیا ایڈیشن تیار کیا گیا ہے پہلا ایڈیشن اڈنبرا سے شایع ہوا تھا اب اس کی ملکیت امریکہ کو منتقل ہو گئی ہے۔ (کتابی دنیا)

سید فضل المتین

داغ کے شاگرد، حکیم بہاؤالدین خان
(بہاؔ اجمیری)

حالات۔

جناب علاؤالدین خاں صاحب علاؔ اجمیری ابن حکیم بہاؤالدین خاں بہاؔ اجمیری فرماتے ہیں:۔

حکیم بہاؤالدین بہاؔ سردار بہادر امیر دین محمد خاں (قندھار) کے صاحبزادے تھے۔ امیر دین محمد خاں اور نواب حاجی محمد خاں[1]، اپنے اپنے جرگہ کے امیر تھے۔ جب تھوڑے افغان وار میں میجر لارنس افغانوں کے ہاتھ گرفتار ہوئے تو میجر لارنس نے امیر دین محمد خاں اور حاجی محمد خاں کو پیغام دیا کہ اگر تم لوگ مجھے آزاد کرا کر کسی صورت سے ہندوستان پہنچا دو تو میں تمہیں وہاں اعلیٰ عہدہ دلاؤں گا۔ امیر دین محمد خاں اور حاجی محمد خاں کو ہندوستان دیکھنے کا بہت شوق تھا۔ انھوں نے میجر لارنس کو آزاد کرانے اور ان کے ہمراہ آنے کی کوششیں شروع کر دیں۔ جب دیگر افغان امیروں کو صورت حال کا علم ہوا تو انھوں نے ان کے ترک وطن اور میجر لارنس کی آزادی کو مناسب جانا اور اجازت دی کہ یہ لوگ مع فیملی ہندوستان چلے جائیں اور آئندہ پھر کبھی واپسی کا ارادہ نہ کریں۔ یہ لوگ راضی ہو گئے اور مع فیملی و میجر لارنس ہندوستان چلے آئے۔ میجر لارنس نے ہندوستان آکر اپنا وعدہ پورا کیا۔ نواب حاجی محمد خاں راجستھان میں A.G.G کے میر منشی مقرر ہوئے اور امیر دین محمد خاں کو سردار بہادر کا خطاب دے کر رام پور میں انگریزی فوج کا کمانڈر انچیف مقرر کیا گیا۔ نواب رام پور کلب علی خاں امیر دین محمد خاں سے ربط رکھنا چاہتے تھے۔ اسی لیے انھوں نے استاد داغ کو کوشش کر کے امیر دین محمد خاں کے رسالہ میں داروغہ اصطبل کا عہدہ دلایا۔ استاد داغ اور امیر دین محمد خاں میں گہرے مراسم پیدا ہو گئے۔ لیکن نواب رام پور اور امیر دین محمد خاں میں نہ بن سکی۔ یہی وجہ تھی کہ امیر دین محمد خاں کے انتقال کے بعد ان کے لڑکوں کو نواب رام پور کی ناراضگی کے سبب رام پور چھوڑنا پڑا۔

بہاؤالدین خاں بہاؔ نے باقاعدہ لکھنؤ میں علم طب حاصل کیا تھا۔ وہ رام پور سے جودھپور چلے آئے۔ مہاراجہ جودھپور جسونت سنگھ نے ۳۰۰ روپیہ ماہوار پر اپنا طبیب مقرر کیا اور اپنے مرضی داں (C.P.A.) میاں فضل رسول کی لڑکی سے ان کی شادی کرا دی۔ بہاؤالدین خاں بہاؔ کو جودھپور کی آب و ہوا موافق نہ آئی اور وہ وہاں کے درباری ماحول سے بھی دل برداشتہ رہے۔ آخر نواب حاجی محمد خاں کے صاحبزادے نواب عبداللہ خاں مطلب[1] نے انھیں اپنے یہاں اجمیر بلوا لیا۔ اجمیر آ کر حکیم بہاؤالدین خاں بہاؔ نے درگاہ شریف حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کے مطب میں طبیب خاص کی حیثیت سے ملازمت اختیار کر لی اور تا دم آخر یہ خدمت انجام دیتے رہے۔ ۱۹۲۳ء میں وفات پائی۔

قطعۂ تاریخ وفات یہ ہے۔

نقارۂ کوچ دہ پیام اجل تھا — احباب نے ہر چند فکر دوا کی
رجب کی تھی گیارہ تھے دن پنجشنبہ — جب اجمیر میں اس جہاں سے قضا کی
لکھی تو نے مرشد یہ تاریخ رحلت — یہ تربت ہے قائم جناب بہاؔ کی

تلمذ۔

"پیام یار" جنوری ۱۸۸۷ء میں تحریر ہے
"جناب حکیم محمد بہاؤالدین صاحب بہاؔ شاگرد جناب داغ دہلوی از اجمیر"
نیز "تذکرۂ ضخیم" میں یہ عبارت ملتی ہے۔
"بہاؔ تخلص بہاؤالدین نام ساکن اجمیر شریف میں۔ داغ کے شاگرد ہیں[2]۔" (صفحہ ۲۲۳)

نمونۂ کلام۔

بہاؔ اجمیری بڑے پرگو شاعر تھے۔ انھوں نے بعد وفات اپنے کلام کا خاصا ذخیرہ چھوڑا تھا لیکن تقسیم ہند کے بعد اجمیر میں جو فرقہ وارانہ فساد ہوا، اس وقت کی لوٹ کھسوٹ میں تمام تلف ہو گیا۔

علاؤالدین خاں علاؔ اجمیری کو اپنے والد کے یہ اشعار یاد ہیں۔

بات دب جائے گی چرچا ہو کر — قتل پر میرے نہ گھبرائے گا
قتل میرا جب ہے منظور نظر — میرے ہی سر کی قسم کھائے گا
رات کو آپ جہاں جاتے ہیں — ہم جو کہہ دیں گے تو گھبرائے گا
ہے بہاؔ اک ہی سخن گو عیار — اس کی باتوں میں نہ آئے گا

نیز "پیام یار" جنوری ۱۸۸۷ء میں ان کے یہ اشعار ملتے ہیں۔

تمہیں کیا تم بہاؔ کیوں ملتے ہو — شکایت ہے مجھے گر آسماں سے
حیا کیسی کہاں کی شرم ہے میل — اٹھا دیجیے یہ پردہ درمیاں سے
بہاؔ کہتے رہے وہ کیوں ہے مضطر — نہ نکلا ہائے کچھ میری زباں سے

تاریخ گوئی۔

بہاؔ اجمیری کو تاریخ گوئی میں بھی ایک خاص ملکہ حاصل تھا۔

(باقی صفحہ ۱۲ پر)

[1] نواب حاجی محمد خاں کا ذکر اپنے مضمون "داغ کے شاگرد" نواب عبداللہ خاں مطلب اجمیری مطبوعہ ہماری زبان ۲۲ اپریل ۱۹۶۶ء میں کر چکا ہوں۔ (سید فضل المتین)

[1] نواب عبداللہ خاں مطلب کے لیے ملاحظہ ہو میرا مضمون "داغ کے شاگرد" نواب عبداللہ خاں مطلب اجمیری مطبوعہ ہماری زبان ۲۲ اپریل ۱۹۶۶ء (سید فضل المتین)

[2] مکتوب انصار اللہ نظر بنام سید فضل المتین۔

مناظر عاشق ہرگانوی

مثنوی نل دمن ہندی

"ہماری زبان" کے ۲۲ر جولائی ۱۹۶۵ء کے شمارہ میں جناب محمد حبیب اللہ صبر جدی نے نور محمد کامیاب صبر جدی کی کتاب "نل دمن ہندی" "اندرا وتی" اور "انوراگ" کے بارے میں روشنی ڈالی ہے۔ "نل دمن ہندی" کا ایک مطبوعہ نسخہ ...... میرے پیش نظر ہے۔ یہ کتاب ۸۴ صفحے کی ہے۔ جلد میں اور صفحات تھے جو غائب ہیں۔ اس لیے نام مصنف، مطبع اور سنہ اشاعت وغیرہ کا پتہ نہیں چلتا ہے۔ لیکن صفحہ ۲ کے حاشیہ پر "در سبب تالیف کتاب" کے مطالعہ سے اور کتاب کے صفحہ نمبر اپر نام کتاب "مثنوی نل دمن ہندی" ہونے سے قیاس گزرتا ہے کہ یہ کتاب نور محمد کی ہو۔ یہاں میں مختصر تعارف پیش کر رہا ہوں تاکہ نقشی کے نل دمن سے ملایا جائے۔

صفحہ ۲ کے حاشیہ پر "در سبب تالیف کتاب" گویا ہے ے

نظم سے کرکے اوتی و دفتانی
لکھوں میں دل کا اسرار نہانی
کہ تھا از بس سخن سے ذوق مجھ کو
سدا تھا مثنوی سے شوق مجھ کو
جو دیکھا آج کل ہندی کا چرچا
ہوا دل ایک دن مشتاق اس کا
کہ عشق نل جو تھا عالم میں مشہور
کرے ہندی زباں میں اس کو مذکور

صفحہ ۴ کے حاشیہ پر "آغاز شورش جنون نل در خواب و بیان کردن ندیم حسن دمن از راہ چارہ گری" صفحہ ۵ تک ـــــ صفحہ ۹ کے حاشیہ پر "رفتہ شدن نل غائبانہ بہ جمال دلفریب دمن و رسیدن از کیفیت مقام ان غاز نگر دلہا و بیان کردن ندیم سرگذشت او" صفحہ ۱۱ تک ـــــ صفحہ ۱۱ کے حاشیہ پر "مبتلا گشتن دمن در دام عشق نل در خواب و نصیحت کردن دایہ از شگفتگی او" صفحہ ۱۶ تک ـــــ صفحہ ۱۷ کے حاشیہ پر "نامہ دمن" صفحہ ۱۸ تک ـــــ صفحہ ۱۸ کے حاشیہ پر "رسانیدن مرغ نامہ دمن بانل و خبر یافتن پدر دمن از نامہ و پیغام و مشورہ کردن ساعت سعادت برائے رفع گرمی عشق" صفحہ ۱۹ تک ـــــ صفحہ ۱۹ کے حاشیہ پر "رفتن نل بہ شہر چندر بہ ملک دمن با سپہ فراواں با سامان حشمت و دست در آغوش عروس داناں کردن دمن با نل و باز آمدن نل بہ ملک خود" صفحہ ۲۰ تک ـــــ صفحہ ۲۰ کے حاشیہ پر "گذاشتن نل و دمن راہ در خواب بہ خیال گریہ و زاری کردن دمن از جدائی آں یار بیوفائے روزگار" صفحہ ۳۰ تک ـــــ صفحہ ۳۱ سے حاشیہ پر "زاری نل بیاد جنگل و بیابہ تمام گشتن از گزیدن مار و نقش بولایت دست دہن از شمارہ او" صفحہ ۴۰ تک۔

شروع کتاب خدا کے حمد سے ہوتی ہے۔ صفحہ ۲ سے ۳ تک حمد ہے

پہلا شعر ے

کروں پہلے ادا حمد خدا کو بنایا جس نے اس ارض و سما کو

صفحہ ۳ سے ۱۳ تک "در بیان توصیف ممالک ہندوستان و در مدح راجہ نل اور نگ آرائی ملک اوجین و ۹۹۴"

صفحہ ۱۳ سے ۱۵ تک "داستان"

صفحہ ۱۵ سے ۱۶ تک "نامہ نل"

صفحہ ۱۶ سے ۲۳ تک "رسیدن مرغ در شہر چندر بہ ملک دمن و گذرانیدن نامہ عاشق و نوشتن جواب نامہ نل متضمن آشفتگی خود با نل۔"

صفحہ ۲۳ سے ۴۴ تک "شورش جنون نل و در باختن ملک و مال بقرعہ کجبازی حریف یعنی برادر خوردہ گزشتی کوہ و دشت ہمراہ دمن۔"

صفحہ ۴۵ سے ۴۸ تک "انداختن نل دام پیراہن را بر مرغ و پرواز کردن مرغ با پیراہن جامہ دن او در صحرای خارزار"

اور صفحہ ۴۸ پر "افزودن گلبرگ حیات نل و دمن از دست بردخزاں و دلکشا شدن گلستان روزگار" کے عنوان کے تحت نل دمن کی کہانی بطور مثنوی بیان کی گئی ہے۔

چراغِ سرِ رہ گذر

شکیب ایاز

اے چراغِ سرِ رہ گذر ٹھہر جا!
صبح تک ٹھہر جا!!
جبکہ بجھنے لگے چاند کی چاندنی، اور ستارے بھی کچھ ٹمٹمانے لگیں
جب سحر کے اجالوں کی نوری فضا
سانس لینے لگے گنگنانے لگے
اور کلیں کے بند قبا ٹوٹ کر پھول کا اک حسیں خواب بننے لگے
اور جب زرد رو مردہ دل گھاس پہ
اوس کا قطرہ زر فشاں بکھرنے لگے
جبکہ موجِ نسیم و صبا دم بہ دم
ساز خوشبو پہ نغمے سنانے لگے
تِرگ نیندوں کی وادی سے بیدار ہوں
اور واماندگی کو جلیں کھیت میں
دھرتی دھرتی پہ جب
چاولوں کی یہ سیماب وش ڈھیریاں
پرتوِ مہر سے جگمگانے لگیں
اور کرنوں کی زریں نظر
زرد گیہوں کے سینے میں ناوک لگائے
اس طرح صبح کی انجمن
جب زمانے کو کیف بقا بخش دے
تو بھی سو جانا پھر
اے چراغِ سرِ رہ گذر ٹھہر جا!
صبح تک ٹھہر جا!!

پیاس بجھا دو

عبدالرحیم نشتر

میرا تن ــــ؟
اک ریگزار ہے۔ اور ــــ
میں اک لمبی مدت سے کنکر پھانک رہا ہوں
میرے سینے میں اک آگ کا پیڑ اگا ہے۔
اور ــــ
میں اک لمبی مدت سے اس کی شاخیں چھانٹ رہا ہوں۔
سنو ــــ!
اگر تم گہری ندی ہو تو میری یہ آگ بجھا دو
میرے
آدرش ــــ
میری پیاس بجھا دو۔

کوئی دوسری زبان مادری زبان کی جگہ نہیں لے سکتی

جناب ڈاکٹر عبدالجلیل فریدی کی تقریر

میں آج آپ کے سامنے طبی اور نفسیاتی نقطۂ نظر سے مادری زبان کا مسئلہ پیش کرنا چاہتا ہوں۔ جیسے جیسے میعادی بخار، چیچک، ملیریا اور ہیضہ جیسی بیماریاں کم ہوتی جارہی ہیں ایک نئے طرز کی بیماریوں کا زور بڑھتا جارہا ہے۔ ان بیماریوں کو نفسیاتی عوارض کہا جاتا ہے۔ ان کا تعلق انسان کی نفسیات سے ہے۔ ان بیماریوں پر آج کل بہت کام ہو رہا ہے۔ بہت سا میڈیکل لٹریچر ان کے متعلق تیار ہو چکا ہے۔ میں اسی کی بنا پر کہتا ہوں کہ اگر اردو زبان ختم ہو گئی تو ایک طرح کے انسان جن کی مادری زبان اردو ہے اور جو ہندوستان میں بستے ہیں، ان کی نسل بھی ختم ہو جائے گی۔

مادری زبان کا فرد کی نفسیات سے گہرا تعلق ہے۔ انسان کا کردار مادری زبان بناتی ہے ہر شخص جس زبان کے بولنے والے کی ایک انفرادیت ہوتی ہے جو اس کو اپنے تمدن، تہذیب، تاریخ، رسوم و رواج کی میراث سے ملتی ہے یہ میراث ہر فرد کو اپنے باپ، دادا، پردادا اور گزشتہ نسلوں سے ملتی ہے اور یہ ترکہ صدیوں بعد اگر ورثہ کو ملتا ہے۔ کسی مادری زبان سے محرومی کے معنی یہ ہیں کہ ان ساری خوبیوں اور صفات کا خاتمہ ہو جائے۔ مادری زبان کے ذریعہ اپنے تمدن کا انکشاف، اظہار اور تبلیغ دنیا کی روزمرہ زندگی کا شاہد ہے۔

ہر انسان کی شخصیت کے دو اجزا ہوتے ہیں (۱) ایک مادی جس میں ظاہری شکل صورت جسم شامل ہے اور (۲) دوسرا نفسیاتی جس میں وہ تمام اکتسابی خاصیتیں شامل ہیں جو ماں کے پیٹ سے لے کر آخر دم تک ایک انسان حاصل کرتا رہتا ہے۔ ان اکتسابی اجزا کے ساتھ شخصیت میں وراثت کا بھی جز ہوتا ہے اکتسابی خاصیتوں کا تعلق مادری زبان سے ہے۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ ماں بچہ کو نہلاتی دھلاتی ہے اس سے باتیں کرتی ہے۔ آپ سمجھتے ہوں گے کہ بچہ کچھ نہیں سمجھتا لیکن بچے کے دماغ میں ماں کی باتوں کا نقش بنتا جاتا ہے۔ چیزوں کی تصویریں نقش ہوتی رہتی ہیں۔ ذرا آگے چل کر بچے کو خاندان کی روایت کے مطابق آداب و تہذیب سکھائی جاتی ہے۔ بچہ ماں سے جو قصہ کہانیاں سنتا ہے۔ وہ بھی پشت ہا پشت سے کنبے کی روایت کا ایک حصہ ہوتی ہیں۔

ماں کی گود اور مادری زبان سے جو ذہن اور کردار بنتا ہے وہ چار پانچ سال کی عمر میں بن جاتا ہے۔ بچپنے میں جو ملتا ہے وہ اسی زمانہ میں مل جاتا ہے۔ اس کے بعد کا زمانہ اکتسابی ہے اس میں بچے کو وہی تہذیب، تمدن اور آداب ملنے چاہئیں جو اس کے آباؤ اجداد کے خصائص کو اس کے اندر مضبوط کر سکیں۔

آج جب ہمارے اردو داں بچے ہندی سیکھتے ہیں تو ان کو ایک نئی تہذیب نئے ادب سے سابقہ پڑتا ہے۔ جو قصے کہانیاں انھوں نے گھر میں سنی تھیں ان کی جگہ ان کو دیومالا سنائی جاتی ہے۔ اس کے نتیجے میں بچے کے دماغ میں انتشار پیدا ہونے لگتا ہے اور وہ شدید نفسیاتی بیماریوں کی زد میں آجاتا ہے۔ یہ درست ہے کہ بچہ اس کشمکش کو محسوس کرکے بتا نہیں پاتا مگر یہ کہنا غلط ہے کہ وہ اس سے متاثر نہیں ہوتا۔ اس بچے کے ذہن میں اب موروثی اور اکتسابی اجزا کا تصادم شروع ہو جاتا ہے۔ اس کی سمجھ میں نہیں آتا کہ اس نے گھر میں کیا سنا اور اسکول میں اس کو کیا بتایا جاتا ہے۔ اس کا اثر ہماری آج کی نسل پر پڑ رہا ہے۔ ہمارے نوجوان انتشار کا شکار ہیں۔ اس کی وجہ یہی ہے (۔۔۔۔۔۔؟) کہ مادری زبان کی جگہ ایک نئی زبان ان کو سکھائی جارہی ہے (زنداں نامہ)

اردو شاعر اور ادیب آج بھی سنسکرتی الفاظ کے اصل سرمایہ دار

فراق گورکھپوری کا تجزیہ

گورکھپور، ۲۴ جون۔ مقامی تھیسوفیکل ہال میں کبیر کی شاعری سے متعلق ایک سیمنار میں تقریر کرتے ہوئے ممتاز شاعر فراق گورکھپوری نے کہا کہ کبیر اپنے دور کے نباض اور ایک انقلابی ذہن رکھنے والے شاعر کی حیثیت رکھتے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ انسان کے جسم کی طرح کبھی کبھی سماج میں زہر پیدا ہو جاتا ہے جس کو زہر زائل کرنا ہر صاحب فکر کا دیرینہ کام رہا ہے کبیر نے بھی اپنے سماج کی نباضی کی اور اس کے زہر کو اتارنے کی کوشش کی اس لیے ان کو سماج کے مختلف عناصر کی نشترزنی بھی کرنی پڑی۔ اس نشترزنی میں وہ بے لاگ اور بے باک تھے اور انھوں نے سماجی برائیوں سے مصالحت یا رواداری کے بجائے عداوت و دشمنی کا رویہ اختیار کیا۔

سماج کے جو عناصر ان کی نشترزنی کی زد پر آئے وہ اکثر تلملاتے رہے کیونکہ ویسی ہی سماجی برائیاں مثلاً بیکاری، بددیانتی، مذہبی شدت پرستی، روایت پرستی آج کے سماج میں بھی پائی جاتی ہیں بلکہ آج کی برائیوں میں ملاوٹ سیاسی جوڑ توڑ، اخلاق پستی جیسی برائیوں کا اضافہ ہو گیا ہے یعنی ہمارا سماج بھی کبیر کے پرانے سماج کی طرح زہر آلود ہے اور اس کے لیے بھی کبیر جیسے نباض کی ضرورت ہے کبیر سے ہمارا سماجی رشتہ یہی ہے۔

انھوں نے کہا کہ کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک بیمار شخص بظاہر عام صحت مند لوگوں کی طرح چلتا پھرتا اور معمولات انجام دیتا ہے لیکن در اصل اس کے جسم کا زہریلا مادہ رفتہ رفتہ بڑھ کر اس کی ہلاکت کا موجب ہوتا ہے اور خود اس کو اس کا احساس نہیں ہوتا۔ اسی طرح ایک بگڑا ہوا سماج بھی اپنے زہریلے مادے کے ساتھ باقی تو رہتا ہے مگر دھیرے دھیرے تباہی سے قریب ہو جاتا ہے۔

اس لیے کبیر نے اپنے سماج کی اصلاح کی طرف بھرپور توجہ کی اور اپنے خاص اسلوب اور زبان کی مدد سے سماج کے فاسد مادے کو زائل کرنے کی کوشش کی۔ کبیر کے اسی اصلاحی عمل کی ہمارے سماج کو بھی ضرورت ہے۔

فراق صاحب نے کبیر کے زبان اور اسلوب بیان کی خصوصیات پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ بعد کی شاعری میں اگر کوئی کبیر سے قریب تر شاعر نظر آتا ہے تو وہ نظیر اکبرآبادی ہے بلکہ میری نظر میں کبیر نے نظیر اکبرآبادی کے روپ میں دوسرا جنم لیا ہے مثلاً

"سب ٹھاٹھ پڑا رہ جائے گا جب لاد چلے گا بنجارا"

یہ ایسی بات ہے جو معلوم ہوتا ہے گویا کبیر ہی نے کہی ہے۔ ایک گورکھپوری شاعر کی اس دلچسپ فرمائش پر کہ فراق صاحب کھڑی بولی یا بقول خود دلی اور میرٹھ کی زبان میں شاعری کرنے کے بجائے گورکھپور کی زبان میں شاعری کریں انھوں نے کہا کہ میں ادب اور شعر کے لیے یہ دیوار مناسب نہیں سمجھتا اور در اصل گورکھپور کی زبان میں شاعری کرنے کا مقصد بھوجپوری زبان میں شاعری کرنا ہوگا جس کی الگ سے حیثیت ضرور ہے لیکن وہ اردو شاعری کا بدل نہیں جواب دیتے ہوئے کہا کہ آپ اس طالب علم کا کیا حشر کریں گے جو آپ کے امتحانی سوالات کے جوابات خالص گورکھپوری زبان یعنی بھوجپوری میں لکھے۔

انھوں نے کہا کہ شعر و ادب کے لیے ایسی دیواریں بیجا ہیں اور دلی لکھنؤ کی زبان میں شاعری کرنے کا مفہوم صرف اس قدر ہے کہ ہر زبان کی مرکزیت ہوتی ہے مثلاً انگلینڈ میں آئرلینڈ کی مقامی بولیوں میں کی ہوئی شاعری کی حیثیت اصل انگریزی شاعری سے الگ ہوگی۔

یہ مرکزیت لازماً ارتقا میں حائل نہیں بلکہ زبان و ادب کی معیاریت کو برقرار رکھنے کی ضامن ہے۔

اردو زبان کے عہد بہ عہد ارتقا کا جائزہ لیتے ہوئے فراق صاحب نے اردو کی ہمہ گیری، اجتماعیت اور اداری اور معنویت پر مفصل اور مدلل روشنی ڈالتے ہوئے اکثر ایسے ہندی الفاظ کا حوالہ دیا جنھیں آج ہندی کے ادیب اور شاعر بے تکلف استعمال کرتے ہیں لیکن حقیقت سے بے خبر ہیں کہ اصلاً یہ الفاظ کھڑی بولی کے ہیں اور مسلمانوں کی دین ہیں۔ اس ذیل میں انھوں نے متعدد مثالیں بھی زبان اور قواعد سے پیش کیں جن سے یہ بات واضح طور پر ثابت ہوتی تھی کہ ان الفاظ کا ماخذ کھڑی بولی یا اردو ہیں اگرچہ ہندی کے شاعر اور ادیب اسے ہندی کے الفاظ سمجھ کر ان پر تنہا اپنا حق جتاتے ہیں۔

فراق صاحب نے فارسی اور عربی قواعد کی رو سے بنائے ہوئے صیغۂ جمع کے علاوہ اور متعدد دوسری مثالیں پیش کرتے ہوئے کہا کہ یہ الفاظ کسی بھی قدیم دور کے ہندی شاعر مثلاً سور، تلسی، میرا اور جائسی وغیرہ کے یہاں نہیں پائے جاتے بلکہ یہ خالص مسلمانوں کی دین اور کھڑی بولی کے ذریعہ عام تک پہنچے ہیں۔

انھوں نے کہا کہ اردو زبان میں عربی اور فارسی کے قاعدے سے بنائے ہوئے صیغۂ جمع کے الفاظ کے استعمال سے اردو کو اس سے دور نہیں کیا جا سکتا بلکہ اس کے برعکس اردو زبان نے ذاتی طور پر جمع کے متعدد الفاظ بنائے ہیں جنھیں استعمال کیے بغیر آج ہندی کی شاعری بھی ناممکن ہے۔ انھوں نے اردو ہندی زبان کی ساخت کا دلچسپ اور خالص علمی انداز میں موازنہ کرتے ہوئے یہ بات کہی کہ آج اگر اردو شعر و ادب پر مشتمل بہتر پچاس جلدیں کسی اسکالر کے سپرد کی جائیں اور اس سے کہا جائے کہ ان کتابوں سے عربی اور فارسی کے الفاظ چن کر ایک فہرست مرتب کرے تو نتیجہ میں دیکھیں گے کہ استعمال شدہ الفاظ میں بہت بڑا حصہ ایسا ہے جو ہندی کا ہوگا اسی طرح اگر ہندی شعر و ادب کی پچاس جلدوں سے سنسکرت کے الفاظ کی ایک فہرست مرتب کی جائے تو بچے ہوئے ہندی الفاظ کی تعداد سنسکرت الفاظ کے مقابلہ میں بہت کم ہوگی اور مزید یہ کہ اردو شاعری کے بچے ہوئے ہندی الفاظ کی تعداد ہندی شاعری کے بچے ہوئے ہندی الفاظ سے پانچ گنا زیادہ ہوگی گویا ہندی الفاظ کے اصل سرمایہ دار تو آج بھی اردو کے شاعر اور ادیب ہیں مگر دعویٰ ہندی کے شعرا کرتے ہیں۔ یہ دلچسپ موازنہ ایسا بے لاگ اور دو ٹوک تھا کہ خود ہندی کے شاعر و ادیب جو سیمنار میں موجود تھے زبان حال سے اس کے قائل نظر آئے۔ فراق صاحب نے اردو زبان کے جامع لغت کے بارے میں اظہار خیال کرتے ہوئے کہا کہ اس میں کم و بیش ۸۰ ہزار الفاظ ہیں جن میں تقریباً چھ سات ہزار الفاظ فارسی کے اور تقریباً چار پانچ ہزار الفاظ عربی کے ہیں فارسی الفاظ کے صرف تقریباً چار ہزار الفاظ اردو شعر و ادب میں مستعمل ہیں اور باقی محض وقت ضرورت پر کام آنے والے ہیں۔ اسی طرح عربی الفاظ کے نصف سے زائد کا جو حصہ اردو شعر و ادب میں مستعمل ہے وہ بھی محض سند کے طور پر کام آتے ہیں اس طرح گویا اردو زبان کی شاعری بیشتر ہندی الفاظ ہی کے ذریعہ ہوتی ہے اس لیے اردو کو ہندی کا حریف کہنا انصاف کا قرینہ نہیں۔ آخر میں انھوں نے اس بات کا اعتراف کیا کہ اردو شعر و ادب کا مزاج بھی تبدیل ہونا چاہتا ہے اور یہ تبدیلی ہو بھی رہی ہے۔ ہندوستان سے زیادہ پاکستان میں یہ مزاج تبدیلی عمل میں آ رہی ہے۔ (قومی آواز)

مراسلات

فانی بدایونی سے متعلق ایک واقعہ کی حقیقت

(خاور جمیل پوری صاحب نے فانی بدایونی سے متعلق ایک واقعہ کے سلسلے میں مراسلہ بھیجا تھا۔ اس مراسلے کی نقل ہم نے جناب میکش اکبرآبادی صاحب کے پاس اس غرض سے بھیجی کہ وہ اس واقعہ سے متعلق اپنی معلومات اور تاثرات کا اظہار کریں۔ خاور صاحب کا مراسلہ اور میکش صاحب کا جواب درج ذیل ہے۔ (ادارۂ ہماری زبان)

(۱)

عام طور پر ہر مشہور ادیب یا شاعر سے متعلق کوئی رومانی روایت مستند ذریعہ سے سنی جاتی ہے لیکن اس کا ثبوت اس ادیب یا شاعر کی طبع شدہ سوانح حیات سے نہیں ملتا۔ اور بعض مخصوص حضرات بھی اس سے واقف ہوتے ہیں۔ اسی سلسلہ میں فانی بدایونی کا ایک واقعہ بڑی شد و مد سے بیان کیا جاتا ہے کہ انھیں آگرہ کی کسی شاہد بازاری سے محبت ہو گئی تھی جو کافی متمول بھی تھی، اور فانی صاحب کو دل و جان سے چاہتی تھی۔

جب فانی صاحب نے اس سے رشتہ قائم کرنے کی درخواست کی تو اس نے جواب دیا کہ ابھی آپ کی تعلیم نامکمل ہے اگر میں آپ سے شادی کروں تو مجھے پیس کر پیٹ بھرنا پڑے گا اس لیے آپ کچھ دن اور پڑھیے جس سے ابھی ملازمت مل جائے تو میں آپ کی فرمائش پوری کر سکتی ہوں۔

اس نے فانی صاحب کی تعلیم کے مصارف ادا کیے اور جب وہ ایل ایل بی پاس کر چکے تو ان دونوں کا عقد ہو گیا لیکن برات گھر واپس آجانے پر جب فانی صاحب نے اسے ڈولے سے اتارنا چاہا تو شادی مرگ کا منظر سامنے تھا۔

کیا یہ واقعہ ہے اگر ہے تو کس قدر صحیح اور اگر محض افسانہ ہے تو اس کا بنیادی عنصر کیا ہے؟

جناب فانی کے ذاتی حالات سے واقف کار حضرات خصوصاً جناب میکش صاحب اکبرآبادی سے درخواست ہے کہ وہ اس واقعہ یا افسانے کی صحت یا عدم صحت کی توضیح فرمائیں۔ (خاور جمیل پوری)

(۲)

آپ کے مراسلے ۶۶-[illegible] کے جواب میں عرض ہے کہ فانی صاحب کے متعلق اس قسم کے غلط واقعات کی شہرت ہمیں معلوم نہیں یہ ابتدا کیوں اور کیسے ہوئی۔

فانی صاحب آگرے ۲۲ء کے بعد تشریف لائے ہیں۔ وہ فرماتے تھے کہ میں نے ایل۔ ایل۔ بی ۱۹۰۱ء میں پاس کیا تھا۔ آگرے ان کا قیام تقریباً دس سال رہا۔ جب وہ آگرے میں اپنی پریکٹس کے لیے مواقع کی تلاش میں پہلی مرتبہ تشریف لائے ہیں تو ان کے ایک شناسا ان کو میرے یہاں لے آئے تھے اور اس روز سے آخر قیام تک علاوہ جلوت و خلوت میں میرا ان کا ساتھ رہا۔ عمر کے اعتبار سے میں ان کے صاحبزادے فیروز صاحب سے بھی کم تھا مگر انھوں نے مجھے کبھی یہ محسوس نہ ہونے دیا کہ وہ عمر میں یا تجربۂ شاعری میں مجھ سے بڑے ہیں۔ فانی صاحب زیادہ بے تکلفی کا موقع کسی کو بھی نہیں دیتے تھے اور مزاج میں بھی رکھ رکھاؤ اور ایک سنجیدگی اور کم آمیزی کا انداز قائم رہتا تھا۔ آگرے میں کئی طوائفوں سے مختلف اوقات میں ان کا تعارف ہوا لیکن وہ محفل اور جلوت تک محدود رہا۔ ایک طوائف سے جو ان کی غزلیں خصوصیت سے گاتی تھی اور بہت اچھی گانے والی تھی ان کی کئی ملاقاتیں ہوئیں مگر اس کے مکان پر نہیں۔ ایک بار انھوں نے اس کے مکان پر جانا بھی چاہا مگر ان کی ہمت نہ ہوئی۔

فانی صاحب کے متعلق مجھ سے ایک صاحب نے کہا کہ اٹاوے کے دوران قیام میں وہ ایک طوائف کے [illegible] کے ساتھ بھاگ گئے ہوئے اٹاوے سے فیروزآباد پہنچ گئے۔ اٹاوے میں ایک طوائف سے جو یہ کہتی ہے کہ فانی صاحب سے اس سے تعلق رہا ہے، یہ بات ممکن تو نہیں ہے مگر اس بارے میں کسی طوائف کے قول کو میں معتبر نہیں سمجھتا ہوں یہ لوگ فخریہ طور پر نامور اور مشہور آدمیوں سے اپنے تعلق بتاتی ہیں۔ یہ میرا بارہا کا تجربہ ہے کہ وہ بالکل غلط ہوتا ہے جس واقعے کے متعلق آپ نے دریافت فرمایا ہے یہ تو داستان امیر حمزہ اور طلسم ہوشربا سے زیادہ نہیں ہے۔ آگرے میں فانی صاحب تقریباً بڈھے ہو کر آئے تھے اور ان کی صحبت یہاں کے اچھی ترین سوسائٹی کے لوگوں سے تھی۔ وہ عام شہر سے بھی مانوس نہ ہوئے۔ کاش مراسلہ نگار صاحب اپنے علم کا ماخذ تفصیل سے بیان کر دیتے تو اچھا تھا۔ بہرحال اگر بالفرض یہ واقعہ ہو بھی تو ۱۹۰۱ء سے پہلے کا ہو سکتا ہے لیکن فانی صاحب کا معمولی جاننے والا بھی اس کا یقین نہیں کر سکتا۔ (میکش اکبرآبادی)

رسالہ "اردوئے معلیٰ" کا مندرجہ ذیل شمارہ درکار ہے

مجھے ایک تحقیقی مقالہ کے سلسلہ میں مولانا حسرت موہانی کے زیر ادارت نکلنے والے رسالہ "اردوئے معلیٰ" جلد (۱۳) شمارہ (۳) بابت ستمبر ۱۹۱۲ء کی ضرورت ہے۔ اگر کسی صاحب کے پاس یہ رسالہ ہو، اور وہ اسے فروخت کرنا چاہیں، یا اس کی نقل عنایت فرما کر اس تحقیق میں مدد فرمائیں، تو مہربانی ہوگی۔

براہ کرم ذیل کے پتہ پر مطلع فرمائیں۔

مسز اشرف رفیع

۱۴-۴-۲۰۴

بیرون یعقوت پورہ۔ حیدرآباد۔ ۲۲ (آندھرا)

الف کا اضافہ

غالباً اردو گرامر کا یہ ایک قاعدہ ہے کہ انگریزی زبان کا اسم (Noun) اگر "س" سے شروع ہوتا ہے اور اس کے فوراً بعد کا حرف متحرک ہو تو اس لفظ سے پہلے الف لگا دینے سے وہ لفظ اردو کا بن جاتا ہے، مثلاً سپورٹ سے اسپورٹ، سکول سے اسکول، سٹیشن سے اسٹیشن وغیرہ۔

سوال یہ ہے کہ انگریزی کے ایسے لفظوں کو جوں کا توں کیوں نہ رہنے دیا جائے۔ آخر سکول کو سکول اور سٹیشن کو سٹیشن کہنے میں کیا قباحت

ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ مندرجہ بالا اردو گرامر کا قاعدہ ہندوستان کے کچھ علاقوں میں تلفظ کی دشواری کے پیشِ نظر گھڑ لیا گیا تھا۔ ہمارے کچھ بھائی سکول کو سکول بول ہی نہیں سکتے۔ ان کے منہ سے ہمیشہ اسکول نکلے گا۔ گرامر کا یہ اصول انگریزی لفظوں کے لیے ہے لیکن جب یہ لوگ سپیک کو اسپیک سٹینڈ کو اسٹینڈ اور سٹارٹ کو اسٹارٹ بولتے ہیں تو کسی قاعدے کی رو سے نہیں بلکہ اس لیے کہ وہ صحیح تلفظ ادا کر ہی نہیں سکتے۔ یہ لوگ تو جب انگریزی میں بھی بولتے ہیں تو ایسے لفظوں کے ساتھ الف غیر شعوری طور پر جوڑ لیتے ہیں؛ ان کی زبان کی نوک سے کیوں صحیح تلفظ نہیں نکلتا، اس کی کھوج تو کوئی Phonetics کا ماہر ہی لگا سکتا ہے۔ مجھے تو صرف اتنا ہی کہنا ہے کہ ہمیں اس قاعدے کو خیرباد کہہ دینا چاہیے اور وہ انگریزی لفظ جو عام زندگی میں داخل ہو چکے ہیں انھیں بگاڑ کر یا توڑ تاڑ کر بولنے کی بجائے جوں کا توں اپنانا چاہیے۔ اور ہمارے وہ بھائی جنھیں صحیح طور پر بولنے میں مشکل پیش آتی ہے، اگر اپنی زبانوں کو ٹریننگ دیں تو یہ مشکل حل ہو سکتی ہے۔

(چندر پرکاش شاد)

ریڈیو کا نیا اردو پروگرام

مہاراشٹر کے اردو اخبارات میں ریڈیو کے نئے پروگرام کی خبر شائع ہوئی تھی۔ قبلہ ہندی صاحب کی نظر سے نہیں گزری ہوگی۔ موصوف نے جن دو باتوں کی طرف توجہ دلائی ہے وہ یقیناً قابلِ تعریف ہیں۔ مگر مصنفوں، شاعروں اور فنکاروں کے انتخاب میں انصاف سے کام لیا جانا چاہیے یہ انتخاب گروپ بندی کا شکار نہ ہو جائے جیسے آج ہمارے آل انڈیا مشاعرے اور رسالے ہیں۔ ملک کے طول و عرض میں بے شمار ایسے فنکار ہیں جن کی تخلیقات گروپ بندی کی بھاری سِل کے نیچے دم توڑ رہی ہیں۔ اربابِ حل و عقد کو پوری وسعتِ نظری سے کام لینا چاہیے اور گمنام قدر شناس فنکاروں اور تخلیق کاروں سے اردو والوں کو متعارف کرانا چاہیے۔

حکومت کے اس مبارک قدم پر ہم بھی مبارک باد دیتے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ وہ اسی طرح اور بھی قابلِ مبارکباد اقدامات کرے گی اور جمہوریت اور آئینِ ہند کی لاج رکھ لے گی۔

کس منہ سے شکر کیجیے اس لطفِ خاص کا

(مومن یوسف حسن، سکریٹری انجمن ترقی اردو شاخ بھیونڈی)

سیل اور سیلاب

محترمی و مکرمی تنویر صاحب نے "ہماری زبان" ۲۲ مئی میں شبہ ظاہر فرمایا ہے کہ "سیلابِ خون، سیلابِ نور وغیرہ تراکیب درست نہیں"۔

محترمی تنویر نے سیلاب کو (سیل + آب) کا مرکب سمجھ کر اپنا شک ظاہر کیا ہے۔ حالانکہ سیلاب بھی سیل ہی کی طرح مفرد حیثیت رکھتا ہے۔ دونوں ایک معنی رکھتے ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ سیل عربی زبان کا ہے جس کی جمع سیول آتی ہے اور سیلاب فارسی کا۔

جس طرح سیل کو اضافی طور پر استعمال کیا جاتا ہے اسی طرح سیلاب کو بھی۔ ضروری نہیں کہ صرف پانی کے بہاؤ کو سیلاب کہا جائے۔ خون کا بہاؤ، شراب کا بہاؤ یا کسی اور دوسری بہنے والی شے کا بہاؤ ہو سیلاب ہر جگہ استعمال ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے سیلابِ نور، سیلابِ تجلی وغیرہ تراکیب درست ہیں۔ مثالیں ملاحظہ ہوں۔

حافظ شیرازی ؎

دور از رخِ تو دم بدم از گوشۂ چشم
سیلابِ سرشک آمد و طوفانِ بلا رفت

امیر خسرو ؎

خزینۂ جہاں زد بہر سوئے سیل
کہ مفلس بہ پروردن نیکرد میل

صاحب منتخب اللغات نے صاف لکھا ہے کہ (سیلاب) بالفتح۔ آبِ بسیار کہ رواں باشد و رواں شدنِ آب و خون و جز آں۔

اسی طرح صاحب غیاث اللغات کا ارشاد ہے کہ (سیلاب) بیای مجہول بمعنی سیل از مؤید و صاحب برہان نوشتہ کہ بالفتح است نہ بکسر و ہمیں صحیح است۔

(سیل) جاری شدن آب و خون وغیرہ از برہان و رشیدی و سراج

دوسرے ان اشارات سے بھی واضح ہوتا ہے کہ سیلاب مفرد حیثیت رکھتا ہے اور سیل کے ہم معنی ہے۔ مزید یہ کہ اس کی تخصیص پانی ہی کے لیے نہیں خون اور دوسری اسی قسم کی چیزوں کے لیے بھی مستعمل ہے۔

اساتذۂ اردو و فارسی اسی اصول پر کاربند ہیں اور عام بول چال کا بھی یہی تقاضا ہے۔ چنانچہ سودا فرماتے ہیں ؎

موجِ آتش ہے سیل آنکھوں کی　　شاید اس دل کا آبلہ پھوٹا

امیر مینائی کا ارشاد ہے ؎

عاجزوں پر جو ہوا تیز تری تیغِ غضب　　وادیٔ پست میں سیلاب رواں اور ہوا

(رتن پنڈوروی، سری ہرگوبند پور)

انجمن ترقی اردو لکھنؤ کی مجلس عاملہ کا جلسہ

انجمن ترقی اردو لکھنؤ کی مجلس عاملہ کا جلسہ جناب وحید الرحمٰن عرفانی صاحب کی صدارت میں ہوا۔ جلسے میں مرکزی انجمن کی ہدایت کے بموجب مقامی انجمن کے انتخابات پر غور کیا گیا۔ سکریٹری نے اپنی رپورٹ پیش کی۔ اور مختلف ادبی انجمنوں کے تعاون پر روشنی ڈالی۔ لکھنؤ میں داخلہ مہم کے سلسلے میں ایک سب کمیٹی بنا دی گئی جو طلبہ اور ان کے سرپرستوں سے براہ راست رابطہ قائم کرے گی اور کارپوریشن کے اسکولوں نیز دوسرے تعلیمی اداروں میں اردو طلبہ کا جائزہ لے گی اس کمیٹی کا یہ کام بھی ہوگا کہ وہ لکھنؤ میں ایسے اداروں کی تعداد معلوم کرے جہاں اردو صرف زبان کی حیثیت سے پڑھائی جاتی ہے۔ کمیٹی میں جناب وحید الرحمٰن عرفانی، جناب فدا حسین اور جناب سکریٹری شامل ہیں۔ شہر کو حصوں میں تقسیم کرکے اراکین انجمن کو ذمہ دار بنایا گیا کہ وہ اپنے اپنے حلقوں کے اسکولوں میں اردو طلبہ کے لیے ہر قسم کی رہنمائی کریں۔

جلسے میں ان تمام ادبی انجمنوں کا شکریہ ادا کیا گیا جنھوں نے انجمن ترقی اردو لکھنؤ کو اپنے تعاون کا یقین دلایا۔ خصوصاً یو۔پی۔ اسٹوڈنٹس فیڈریشن، انجمن ترقی ادب اور انجمن ادب اطفال وغیرہ۔ ایک تجویز کے ذریعے اردو کی تمام انجمنوں اور ہمدردوں سے اپیل کی گئی کہ وہ اردو داخلہ مہم میں عملی طور پر حصہ لیں اور اپنے اپنے حلقوں کے تعلیمی اداروں میں طلبہ کے داخلے کی پوری پوری کوشش کریں۔

ایک دوسری تجویز میں صدر آل انڈیا میر اکیڈمی جناب مقبول احمد لاری صاحب کو پر زور مبارکباد پیش کی گئی کہ انھوں نے میر پر تحقیقی کام کرنے کے لیے تین سو روپے ماہوار کا وظیفہ دو سال تک دینے کا اعلان کیا ہے۔ اور اس سے اردو دنیا میں ایک نئی مثال پیش کی ہے۔

آخری تجویز علامہ نیاز فتح پوری کی موت پر اظہار غم کیا گیا تجویز کے الفاظ یہ ہیں "انجمن ترقی اردو لکھنؤ کا یہ جلسہ اردو کے مایۂ ناز صاحب طرز ادیب علامہ نیاز فتح پوری کے انتقال پر اپنے دلی رنج و غم کا اظہار کرتا ہے۔ مرحوم نے رسالہ نگار اور اپنی تصانیف کے ذریعے اردو ادب کے سرمایہ میں گرانقدر اضافہ کیا۔ مرحوم کی ادبی خدمات پر اردو جتنا بھی فخر کرے کم ہے۔ مرحوم کی موت سے اردو ادب کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا۔"

(محمد اسلم برائے سکریٹری)

انجمن ترقی اردو شاخ برہانپور کا نیا انتخاب

۲۶ جون اتوار ۶۶ء شب میں ساڑھے نو بجے جنتا لائبریری ہال میں مشہور قومی رہنما محترم جناب حاجی صلاح الدین صاحب وائس پریسیڈنٹ نگرپالیکا برہانپور کی صدارت میں مقامی انجمن ترقی اردو کا نیا انتخاب اتفاق رائے سے عمل میں آیا اور ۲۷ جون ۶۶ء کو بذریعہ رجسٹری انتخاب کی مکمل تفصیل دفتر ریاستی انجمن ترقی اردو بھوپال روانہ کر دی گئی۔ انتخاب کی تفصیل یہ ہے:

صدر انجمن: محترم مولانا حفظ الرحمٰن انصاری صاحب میونسپل ممبر

نائبین صدر: (۱) جناب شاہ محمد انصاری ایم۔ اے (۲) جناب اقبال حسین صاحب ایم۔ اے

خازن: محترم حاجی صلاح الدین صاحب وائس پریسیڈنٹ نگرپالیکا برہانپور۔

جنرل سکریٹری: اقبال نعیب

جائنٹ سکریٹری: سید عزیز الدین عزیز (۲) حافظ محمد صاحب ادیب

پروپیگنڈہ سکریٹری: محمد اظہر

مجلس منتظمہ: جناب دیوی لال گپتہ جی، وکیل حشمت اللہ انصاری، مرزا اسماعیل بی اے بی ایڈ، اختر پرویز صاحب، حبیب محمد خاں بی اے بی ایڈ، محمد جابر بی اے بی ایڈ، اقبال احمد، نعمت انصاری، ارشاد احمد سرور صاحب

(اقبال نعیب جنرل سکریٹری)

انجمن تعمیر اردو دلّی کی ادبی سرگرمیوں کا خلاصہ!

دلّی ۱۰ جون ۱۹۶۶ء: ۲۴ اپریل کو انجمن تعمیر اردو دلّی کے جنرل سکریٹری پروفیسر گلزار دہلوی، کلکتہ، بمبئی، مدراس، حیدرآباد اور دیگر مقامات کے دورے پر گئے۔ تقریباً ڈیڑھ ماہ کی ادبی سیر و سیاحت اور علمی رابطہ قائم کرنے کے بعد ۱۰ جون کو دلّی واپس تشریف لے آئے۔ ان مقامات پر علمی و ادبی شخصیتوں، اردو کی ادبی انجمنوں، تعلیمی اداروں اور اخبارات و رسائل سے رابطہ قائم کرنے کے ساتھ ساتھ جلسوں، مشاعروں اور اردو کے متعلق تبادلۂ خیال کے اجتماعات میں شرکت کی اور متعدد تقریریں کیں۔ اس اثنا میں دلّی میں انجمن تعمیر اردو کی ہفتہ وار ادبی و تنقیدی نشستیں اور مشاعرے باقاعدہ منعقد ہوتی رہیں۔

گذشتہ اتوار ۱۹ جون کو گلزار دہلوی سکریٹری انجمن خود بھی دلّی واپسی کے بعد پہلی بار شریک ہوئے۔ جلسہ کی صدارت حضرت بسمل سعیدی ٹونکی صاحب نے فرمائی۔ تقریباً تیس ادیب اور شاعر اور کوئی پچیس دیگر اردو دوست ادب نواز سامعین شریک جلسہ تھے۔ ابتدا میں جناب گلزار دہلوی سکریٹری انجمن نے مولانا نیاز فتح پوری کی ساٹھ سالہ ادبی خدمات، صحافت، افسانہ نگاری اور تنقید نگاری میں ان کی خدمات اور طویل زندگی کے ساتھ ساتھ اردو لکھنے کے امتیاز پر خصوصی روشنی ڈالی۔ اور ایک تعزیتی تجویز میں نیاز فتح پوری صاحب، جناب مصطفےٰ خاں جوہر ٹونکی مرحوم اور سورج کنول سرور صاحب کی اموات اور ادبی خدمات کا تذکرہ کرتے ہوئے انجمن کی جانب سے انھیں خراج عقیدت پیش کیا۔ تعزیتی تجویز بالاتفاق رائے منظور کی گئی۔ جوہر صاحب اور سرور صاحب کی زندگی و فن پر کافی تبصرہ کیا گیا۔ حضرت بسمل سعیدی صاحب نے جوہر ٹونکی صاحب کے لیے ایک قطعہ پڑھا۔ بعد ازاں دور شعر و شاعری ہوا جس میں صدر جلسہ حضرت بسمل سعیدی، گلزار زتشی دہلوی، کرشن موہن، ڈاکٹر اسلم پرویز، عزیز وارثی، زبیر رضوی، مولوی علیم اختر، جناب پریم پال اشک، مولوی تسخیر فہمی، لطفی سکندرآبادی، خالد کے دہلوی، نصرت ظہیر، عاشق دہلوی حضرات نے اپنا پسندیدہ منتخب اور تازہ کلام سنایا۔ جس کے بعد نشست بخیر و خوبی برخاست ہوئی۔

(رئیس صدیقی نائب ناظم اشاعت)

کھام گاؤں میں مشاعرہ

انجمن ترقی اردو (ہند) شاخ کھام گاؤں کے زیر اہتمام ۲۴ ارچ ۶۶ء

کوکھ کا مشاعروں میں ایک عظیم الشان کامیاب اور یادگار آل انڈیا طرحی مشاعرہ پروفیسر خلیل الرحمٰن کی سیاست امراؤتی کی زیرِ صدارت منعقد ہوا۔ مجرم پرنسپل حفیظ اللہ خاں صاحب بیدر نے مشاعرہ کا افتتاح کرتے ہوئے اردو کے فروغ کے لیے جدوجہد کرنے پر زور دیا۔ انھوں نے اراکین مشاعرہ کی کوششوں کو بے حد سراہا اور کافی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے پوری معاونت کا یقین دلایا۔ مشاعرہ میں قریب و دور کے مشہور شعراء کرام کے علاوہ معزز شخصیتیں شامل تھیں۔

اراکین مشاعرہ نے بمبئی، پونا، مدراس، حیدرآباد کے بڑے شاعروں کو بھی مدعو کیا تھا لیکن وہ شریک نہ ہو سکے۔

مشاعرے کی ابتدا جگ کے فرائض سید کمال کھام گانوی سکریٹری انجمن نے بحسن و خوبی انجام دیئے۔ آخر میں سید کمال کھام گانوی نے سامعین و مہمانوں کا شکریہ ادا کیا۔

(سید بسمل اللہ شاہ بسمل سکریٹری انجمن ترقی اردو)

تعلیمی کمیشن کی زبان سے متعلق اہم سفارشات

نئی دہلی ۲۹ جون۔ تعلیمی کمیشن نے ایک وسیع اور مربوط رخ اختیار کرتے ہوئے کئی اہم سفارشیں کی ہیں، اور کہا ہے کہ ہندوستان کے تعلیمی نظام کی از سرِ نو تعمیر ہوگا تقریباً ایک انقلاب لانے کی ضرورت ہے۔

زبان سے متعلق اہم سفارشات اس میں شامل ہیں۔ مسٹر چھاگلا نے بتایا کہ اہم ترین سفارش سہ لسانی فارمولہ کے متعلق ہے کمیشن کی رائے میں سہ لسانی فارمولہ ترمیم شدہ شکل میں اس طرح ہونا چاہیے۔

(۱) مادری زبان یا علاقائی زبان

(۲) مرکزی سرکاری زبان یا معاون سرکاری زبان (انگریزی یا ہندی)

(۳) کوئی جدید ہندوستانی یا یوروپین زبان جو شق (۱) اور (۲) کے تحت آتی ہو اور نہ ہی ذریعہ تعلیم کی زبان ہو۔

ہندی کے مطالعہ کے بارے میں کمیشن کی سفارش ہے کہ ایک ملک گیر رضاکارانہ پروگرام شروع کیا جائے جس میں نا رضامند لوگوں پر کوئی جبر نہ کیا جائے۔

چھاگلا نے کہا کہ زبان سے متعلق سفارش کے ظاہر ہے سیاسی اثرات ہوتے ہیں۔ ہمیں اس پر سنجیدگی کے ساتھ غور کر کے فیصلہ کرنا ہوگا کہ کیا اسے عملی جامہ پہنانا ہوگا، تعلیمی اعتبار سے کیا رہے گا اور اس کے سیاسی اثرات کیا پڑیں گے۔

یونیورسٹی کی منزلوں پر کمیشن نے سفارش کی ہے کہ دس سال کے عرصہ میں بتدریج آخر علاقائی زبانوں کو ذریعہ تعلیم بنا دیا جائے لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی کہا ہے کہ کل ہند نوعیت کی بڑی بڑی یونیورسٹیوں میں انگریزی ذریعہ تعلیم رہنا چاہیے۔ (ریاست)

جموں و کشمیر یونیورسٹی میں اردو کی تعلیم

جموں و کشمیر یونیورسٹی میں اردو کی تعلیم و تدریس کا انتظام پوسٹ گریجویٹ کے شعبے کے علاوہ پری یونیورسٹی اور سہ سالہ بی۔ اے تک مختلف کالجوں میں بھی ہے۔ کالجوں کی تعداد جموں اور کشمیر کو ملا کر سولہ کے قریب ہے جہاں اور مضامین کے ساتھ اردو بھی پڑھائی جاتی ہے۔ اردو اختیاری مضمون ہونے کے علاوہ کئی مضامین کے لیے ذریعہ تعلیم کی زبان کی حیثیت بھی رکھتی ہے۔

مختلف کالجوں میں پری یونیورسٹی میں اردو طالب علموں کی تعداد ایک ہزار یا بارہ سو اور تین سالہ ڈگری کورس کی مختلف جماعتوں میں ایک ہزار کے قریب ہو جاتی ہے ہر کالج میں اردو کی تدریس کے لیے ایک یا دو اساتذہ موجود ہیں جن میں لیکچرار کے علاوہ سینئر لیکچرار بھی شامل ہیں جو کالجوں میں پروفیسر کے عہدہ سے موسوم ہیں۔

پوسٹ گریجویٹ تعلیم و تدریس کے پچھلے سال دو ڈویژن بنائے گئے ہیں۔ ایک کشمیر ڈویژن اور ایک جموں ڈویژن۔ کشمیر ڈویژن میں طلبہ کی تعداد پچھلے دو سال میں ترقی کر کے ایم۔ اے پریوس اور ایم۔ اے فائنل ہر جماعت میں بارہ یا چودہ تک پہنچ گئی ہے دو سال ہوئے اردو میں پی ایچ ڈی کی تحقیقات کا کام شروع ہوا اور اس وقت دس اسکالر مختلف موضوعات پر تحقیقی کام میں مصروف ہیں۔

شعبۂ اردو اور فارسی سے ایک ادبی مجلہ ادبیات بھی شائع ہوتا ہے جو اساتذہ اور تحقیق کرنے والے طلبہ کے مقالوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ پروفیسر رحمان راہی لیکچرار فارسی اس کے مدیر ہیں۔ (الجمعیۃ)

حیدرآباد میں ایک یادگار ادبی محفل

حیدرآباد کے ادیبوں اور شاعروں کی جانب سے پچھلے ہفتہ اردو ہال حیدرآباد میں ایک استقبالیہ تقریب ڈاکٹر عبد الحفیظ قتیل ریڈر شعبہ اردو جامعہ عثمانیہ کی صدارت میں منعقد ہوئی جس میں ڈاکٹر سید محمد عقیل رضوی (الہ آباد یونیورسٹی) جناب جاوید وشسشٹ (دلی یونیورسٹی) اور کشمیر کے جواں شاعر اور رہنما عبد الستار رنجور کا خیر مقدم کیا گیا۔ جناب مخدوم محی الدین صاحب نے مہمانوں کا تعارف کرایا اور ان کی تخلیقات اور فن پر روشنی ڈالی۔ اس کے بعد مہمانوں نے تقریریں کیں۔

ڈاکٹر سید محمد عقیل رضوی نے اپنی تقریر میں حیدرآباد کے اہلِ علم کی ادب شناسی اور ادب نوازی کی تعریف کرتے ہوئے کہا کہ انھیں اپنی ریسرچ کے سلسلے میں جو مدد اہالیانِ حیدرآباد سے ملی ہے وہ ان کی ادب نوازی کی بہترین مثال ہے۔ ایک اور جلسے کا حوالہ دیتے ہوئے بتلایا کہ یہاں ابھی نئی اور پرانی نسل کا سوال کسی نہ کسی طرح پیدا ہو گیا ہے مگر ہمیں یہ بات نہ بھولنا چاہیے کہ ادب در اصل کسی کی میراث نہیں ہے جو بہت بہتر سے بہتر تخلیق پیش کرے گا اسے بقائے دوام حاصل ہوگا۔ اس لیے کسی کے ماننے اور انکار کرنے سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔

جناب جاوید وشسشٹ نے اپنی تقریر میں جو کام وہ ملا وجہی پر کر رہے ہیں، اس کی دقتوں اور مشکلوں کا ذکر کیا۔ انھوں نے فرمایا کہ سب رس کے تقریباً (۱۴) نسخے دستیاب ہو چکے ہیں اور میرا ارادہ ہے کہ ان مختلف

نسخوں کے موازنے سے اصل کتاب کو ترتیب دینے کی کوشش کروں گا۔ انھوں نے مزید کہا کہ اب تک تو وہ ذہبی کی مختلف تخلیقات سے تقریباً (۸) ہزار الفاظ ایسے منتخب کر چکا ہوں جن کے معنی مروجہ لغات میں نہیں ملتے۔ آخر میں انھوں نے پروفیسر ہارون خاں شروانی صاحب کی اس رائے سے اتفاق کرتے ہوئے بتایا کہ "بھاگ متی" کا کوئی وجود نہیں تھا ورنہ قلی قطب شاہ اپنی کسی نظم یا غزل میں اس کا ذکر ضرور کرتے۔

جناب عبد الستار رنجور کاشمیری نے اپنی تقریر میں کشمیری زبان و ادب پر روشنی ڈالتے ہوئے زبان کی ساخت، رسم خط کی مختلف دور میں تبدیلیوں اور زین العابدین بڈشاہ کی کوششیں حبہ خاتون کی شاعری کا احاطہ کیا۔ انھوں نے یہ بھی فرمایا کہ کشمیری زبان میں الف لیلیٰ، داستان امیر حمزہ اور بہت سی پرانی کتابیں کلچرل اکیڈمی کو حاصل ہو گئی ہیں اور انھیں منظر عام پر لایا جا رہا ہے۔ آخر میں انھوں نے حبی کاشمیری اور رنجور سے کہ خود اپنے کلام کا جائزہ لیا۔

جناب صدر ڈاکٹر حفیظ قتیل صاحب نے اپنی صدارتی تقریر میں اس بات پر خوشی کا اظہار کیا کہ اردو میں محققین بڑے تندہی سے کام کر رہے ہیں یہ ایک امید افزا بات ہے۔ "بھاگ متی" کے واقعے کی طرف انھوں نے بھی اشارہ کیا اور کہا کہ جناب حسینی شاہد صاحب جو "شاہ معین الدین اعلیٰ" پر کام کر رہے ہیں ان کو کچھ ایسے اسناد ملے ہیں اور خود حیدر آباد میں ایک خاندان موجود ہے جو بھاگ متی سے متعلق ہے۔ ان شواہد کی روشنی میں بھاگ متی کے وجود سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ ہارون خاں شروانی صاحب بحیثیت مورخ کے اس کے غیر حقیقی ہونے کی تہہ تک پہنچ گئے ہوں مگر اہل ادب آسانی کے ساتھ ان کی بات کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔

آخر میں مسز کی دیو اس لاہوٹی صاحب نے حاضرین اور مہمانوں کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا کہ ادیب کے قدم بھی مورخ کی طرح سے محتاط ہونے چاہئیں اس لیے کسی بات کو بھی آسانی سے قبول کر لینے میں اکثر بڑی قباحتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

مہمان شعرا کے کلام پر یہ محفل اختتام کو پہنچی۔

(ارشاد علی خاں)

مرتضواڑہ ادبی سرکل احمد پور (عثمان آباد مہاراشٹر) کے انتخابات

مرتضواڑہ ادبی سرکل تقریباً تین سال سے نہایت خاموشی کے ساتھ اردو کی خدمت انجام دے رہی ہے۔ اس اہم سرکل کے تحت ایک اور بزم بھی ہے اس بزم کے تحت مسلسل تین سال سے شاندار مشاعرے منعقد ہوتے رہے جن میں مرتضواڑہ کے مشہور شعرا نے حصہ لیا اور شائقین نے ہزار ہا کی تعداد میں شریک ہو کر کامیاب بنایا۔

اس کے علاوہ ادبی سرکل کے سامنے مرتضواڑہ کے شعرا کے کلام اور ادیبوں کے مضامین کو شائع کرنے کا اہم پروگرام بھی ہے۔

جناب قیوم صادق احمد پوری ایم اے کی کتاب "اردو ادب میں تنقید کی اہمیت" اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ اس کتاب کو ادیبوں اور طالب علموں نے بہت پسند کیا اور چندرہ دن کی قلیل مدت میں اس کی سیکڑوں کاپیاں فروخت ہو گئیں۔

۸ر جون ۶۶ء کو اس اہم ادبی سرکل کے انتخابات ہوئے

(محمد ابراہیم شاکر معتمد نشر و اشاعت)

گلستان ادب پوسد کا طرحی مشاعرہ

۱۱ر جون ۶۶ء کو ایک طرحی مشاعرہ جناب محمد ابراہیم صاحب بسمل کی صدارت میں اردو مڈل اسکول "پوسد" میں منعقد ہوا۔ مشاعرے کی کارروائی کا آغاز حسان عقیل نے نعت سے کیا۔

صدر مشاعرہ کے خطبۂ صدارت کے بعد جناب محمد عزیز الحق صاحب ایڈوکیٹ نے افتتاحی تقریر کی۔ صدر موصوف و حق صاحب نے اپنی تقاریر میں اردو زبان کی اہمیت اور اس کی مقبولیت پر اظہار خیال فرماتے ہوئے اہل بزم کی اس پر خلوص جدوجہد پر خراج تحسین پیش کیا۔

اس مشاعرے میں بہت سے اہم شعرا نے اپنا طرحی کلام سنایا۔

بزم مشاعرہ تقریباً دو بجے شب بحسن و خوبی اور نہایت کامیابی کے ساتھ اختتام پذیر ہوئی

(اسحٰق مجرم ناظم نشر و اشاعت)

ناگپور یونیورسٹی سے اردو کو اختیاری مضمون کی حیثیت سے لیے جانے کی رعایت ختم کیے جانے کے خلاف ودربھ کے گوشہ گوشہ سے صدائے احتجاج بلند کی جائے

ناگپور، ڈاک سے۔ ناظم نشر و اشاعت علاقہ ودربھ جمعیۃ علما نے ایک صحافتی بیان کے ذریعہ ودربھ کے تمام تعلیمی و سماجی اداروں جمعیۃ علما، انجمن ترقی اردو، مسلم بہار ایجوکیشنل سوسائٹی و دیگر جماعتوں سے اپیل کی ہے کہ وہ ناگپور یونیورسٹی کی اکیڈمک کونسل کے اس فیصلہ کے خلاف صدائے احتجاج بلند کریں کہ بی ایس سی، بی اے اور بی کام کے امتحان کے لیے اردو کو اختیاری مضمون کی حیثیت سے لینے کے طریقہ کو ختم کر دیا ہے۔ جبکہ اردو زبان اس علاقہ کی تیسری زبان کی حیثیت رکھتی ہے۔ اور علاقہ کی ایک بڑی آبادی اس زبان کو بولتی ہے اور اسے دستور ہند میں بھی نمایاں مقام حاصل ہے اقلیتی زبان کے تحفظ کے پیش نظر اس زبان کو برقرار رکھ کر جمہوری انصاف کو قائم رکھے امید کہ ناگپور یونیورسٹی کی اکیڈمک کونسل اپنے فیصلہ پر نظر ثانی کر کے مذکرہ بالا امتحانات میں اردو کو اختیاری مضمون کی حیثیت سے لینے کی روایت کو برقرار رکھ کر اپنی انصاف پروری جمہور نوازی اور اقلیت پرستی کا ثبوت دے گی۔ اس سلسلہ میں تجاویز منظور کر کے وزیر اعظم ہند، صدر کانگریس، مرکزی وزیر تعلیم چھاگلا، یونیورسٹی گرانٹس کمیشن، وزیر اعلیٰ مہاراشٹر، چانسلر اور گورنر، وزیر تعلیم مہاراشٹر، شری کو ییے وائس چانسلر اور اخبارات کو روانہ کی جائیں۔

(الجمعیۃ)

مضامین و مراسلات بھیجتے وقت یہ خیال رکھیں کہ "ہماری زبان" کے وہ کاغذ کے ایک طرف لکھے ہوں۔

کتابیں ملیں

اکبر ٹائمز (ہفت روزہ)

مدیران: عبدالحمید سرور، اسماعیل اکبر
مقام اشاعت: انصاری چوک، مالی گاؤں
قیمت: فی کاپی دس پیسے

اکبر ٹائمز اردو کا ہفتہ وار اخبار مالی گاؤں سے نکلنا شروع ہوا ہے۔ یہ پہلا شمارہ ہے۔ اخبار کے سرورق پر مختلف شاعروں کے منتخب اشعار "شاعرہ خاص برائے بنا بن جینا" کے عنوان سے شائع ہوئے ہیں جن میں شاعروں کے نام درج نہیں ہیں۔ اطہر الخیری کے قطعات ادب کے ساتھ "دلچسپ ہیں۔ اس شمارے میں چند قطعات، منتخب اشعار، ایک غزل اور کچھ خبروں کے علاوہ اشتہارات ہیں جن کی تعداد تقریباً تیرہ ہے۔ اخبار میں تفریح پیدا کرنے کے لیے کچھ ادبی مضامین بھی شامل ہوں تو اچھا ہے۔ مالی گاؤں سے اس ہفتہ وار اخبار کا اجرا ایک اچھا شگون ہے

کمیونزم اور نوآبادیت

یہ کتاب $\frac{20\times30}{16}$ کے ۱۸۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ دارڈ کورز کے بی۔ بی۔ سی نشریوں کا مجموعہ ہے جس کا ترجمہ جلیس عابدی نے کیا ہے۔ اس کو جارج گرڈمسن نے ترتیب اور ایڈورڈ کرینک شا نے اس کا تعارف لکھا ہے۔ اس مجموعے میں کل بارہ ریڈیائی تقریریں شامل ہیں۔

یہ کتاب ایک روپے میں نیشنل اکاڈمی ۳۰ انصاری مارکیٹ دریا گنج دہلی سے مل سکتی ہے۔

میٹرک کے بعد کیا کریں؟

یہ کتاب $\frac{20\times30}{16}$ کے ۴۴ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کو لطیف جعفری اور احمد عثمانی نے مرتب کیا ہے۔ میٹرک پاس یا جو طلبہ میٹرک پاس نہیں ہیں ان کی معلومات کے لیے مختلف کالجوں اور اداروں کے ایسے کورسوں کی تفصیلات درج ہیں جو ان کے لیے مفید ہو سکتے ہیں۔ اس کتابچہ کا خاص مقصد مہاراشٹر کے میٹرک پاس اردو طلبہ کی صحیح رہنمائی کرنا ہے۔

یہ انصار پبلشنگ ہاؤس انصار ڈائی مالی گاؤں سے دو روپے
مشرقی محمد علی روڈ
میں مل سکتی ہے۔

ایم حبیب خاں

—x··x·:·x··x—

صفحہ ۳ سے آگے

چند قطعات تاریخ ملاحظہ ہوں

"بقراط زماں ارسطوئے دوراں جناب حکیم محمد بہارالدین خاں صاحب تلمیذ بلبل ہند داغ دہلوی المتخلص بہ بہار رامپوری مقیم شفاخانہ حضور سلطان الہند غریب نواز"

شمس الدین خاں نواب عاشق — خوش ریختہ رشک پارسی گفت
پرسیدم بہار ز ہاتف سالش — قانونِ خیالِ عاشقی گفت

۱۹ ھ ۱۳

ولہٗ

خواجہ ہاشم حسن نواب ذی وقار — ساخت دیوانش مرتب از خوشی
سالِ طبعِ پاک او از من بہار — گفت ہاتف ـــ مدبکار فرخی

۱۹ ھ ۱۳

(دیوان عاشق اجمیری)

"قطعہ تاریخ طبع کتاب ہذا از نتیجہ فکر سخن آفریں رشک خاقانی وقاآنی افسرالاطبا حکیم محمد بہارالدین خاں صاحب بہار"

احسن السیر شد دگر مطبوع — یادیارب بہر دلش منزل
پر ز حباب او بحسن صفا — ہمچو حسنِ بتانِ چین و چگل
مشفقم اکبر جہاں بخدا — طرفہ تالیف ساخت از مشکل
باز عبدالرحیم کردش جمع — کز مولف .... ل
فکر سالش بہار چو گشت بمن — گفت ہاتف بگو ــ فروغ دل

۱۳۲۷ھ

باز گفتم دگر بگو گفتا — حسن تقدیر عاقل کامل

۱۳۲۰ھ

(احسن السیر ص ۲۰۰)

ہندی کتابوں کے سستے ایڈیشن

۱۔ چھیڑ غالب سے چلی جائے	مرتبہ اکبر علی خاں	۳ روپے
۲۔ رسوم دہلی	مولوی سید احمد دہلوی	۲ ؍؍
۳۔ پری خانہ	نواب واجد علی شاہ	۲ ؍؍
۴۔ حرف حرف	فیض احمد فیض	۲ ؍؍
۵۔ شہر کیا سوچتا ہوگا	سید رفیق حسین	۲ ؍؍
۶۔ زندگی ایک منظر	روحا افزا ارمان	۱ ؍؍
۷۔ بانکا چھیلا	سید امتیاز علی تاج	۱ روپیہ ۵۰ پیسے

ملنے کا پتہ
انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ

مالک انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ پرنٹر ضمیرالدین قریشی نے مسلم ایجوکیشنل پریس علی گڑھ میں چھپا یا اور پبلشر نذیر حسین نے دفتر مرکزی انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ سے شائع کیا